پروفیسر ڈاکٹر نزہت عباسی

روشنی کی رفتار .... ایک تجزیاتی مطالعہ

Qurat ul Ain Haider was a great novelist and short stories writer. Roshni ki Raftar is the collection of short stories of Qurat ul Ain Haider in which she has demonstrated the true pictures of society through characters and tried to elaborate the social issues. Her short stories represent the realistic trends. She has discussed problems faced by women in the society in her stories. Her contributions will always be remembered in Urdu literature.

قرۃ العین حیدر بیسویں صدی کے افسانوی منظر نامے میں ایک اہم اور منفرد مقام کی حامل ہیں ، ان کی افسانہ نگاری کا آغاز رومانیت پسندی سے ہوا۔ان کے پہلے افسانوی مجموعے "ستاروں سے آگے "(۱۹۴۷ء) کے افسانوں میں رومانی فضا واضح طور پر محسوس ہوتی ہے۔اس رومانیت میں تاریخ نگاری اور سماجیات کے مطالعے نے امل ہو کر جلا بخشی ہے۔قرۃ العین حیدر کے افسانے ایک خاص سطح کے حامل ہوتے ہیں جن میں کچھ بھی عام نہیں۔واقعہ' کردار' پلاٹ ' مکالمے ' لفظیات ' حسّیات' نفسیات یہ سب اپنی اعلیٰ ترین صورتوں میں نظر آتے ہیں۔وہ ایک اعلیٰ اور تعلیم یافتہ طبقے سے تعلق رکھتی تھیں۔ان کا مطالعہ بے حد وسیع تھا۔یہ وسعت اور گہرائی ان کے افسانوں کو بلندی اور فکر عطا کرتی ہیں۔ان کا علم' تجربہ' مشاہدہ ان کے افسانوں کے منظر نامے کو مختلف جہتیں بخشتے ہیں۔وہ ترقی پسند افسانہ نگاروں سے متاثر نہیں ہوئیں۔رومانیت کے ساتھ حقیقت پسندی کے عناصر ان کی اپنی مخصوص انفرادیت کے حامل تھے۔مغربی ادب کے گہرے مطالعے سے انہوں نے اثرات ضرور قبول کیے جو ان کے فن ، فکر اور تکنیک پر نظر آتے ہیں۔خاص طور پر وہ ورجینا وولف سے بہت متاثر تھیں۔ان کے افسانوں میں جدت کے تجربات ہوتے رہے اور انہوں نے اپنے افسانوں میں جدید تکنیک اختیار کیں۔

قرۃ العین نے علمی اور تاریخی عوامل کو اپنے افسانوں کا جوہر بنایا۔ان کی گہری تاریخیت، قدیم ہند ایرانی، فلسفہ، دانشورانہ نقطہ نظر ، اعلیٰ طبقے کی علمی بصیرتیں، بالائی سطح کا اسلامی معاشرہ مغربی اثرات اور رومانی اسلوب ان کے افسانہ نگاری کے پہلو ہیں۔قرۃ العین حیدر اپنے ادب کو "پروستین" کہتی تھیں۔یعنی وہ تمام ہمہ گیر صورتیں جو کبھی ہماری ثقافتی زندگی اور آبا و اجداد کی میراث رہیں۔مگر وقت

کے جبر کے ہاتھوں ختم ہوتی چلی گئیں یا نئی صورت اختیار کرتی رہیں۔وہ اپنی غیر معمولی تخلیقی ذہانت کی وجہ سے اپنے افسانوں کو روایت اور جدت کے سانچوں میں ڈھالنے کا ہنر رکھتی تھیں۔

قرۃ العین حیدر کے یہاں " نسائیت" کا وہ مخصوص تصور نہیں جو مغرب کی دین ہے بلکہ ان کے افسانوں میں عورت کے متعلق بدلتے ہوئے رویے ضرور نظر آتے ہیں۔وہ اپنے نسائی شعور میں مثبت رویہ رکھتی ہیں جو باغیانہ نہیں بلکہ اپنے اندر ایک تہذیب اور شائستگی رکھتا ہے ان کے افسانوں کے مختلف نسائی کردار نسائی شعور کی علامات ہیں۔ان کے یہاں صرف عورت کے روایتی کردار ماں، بہن یا بیٹی کے نظر نہیں آتے بلکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ' ذہین، خود اعتماد اور باشعور عورت کا روپ سامنے آتا ہے جو جدید دور میں پوری توانائی کے ساتھ زندہ رہنا چاہتی ہیں۔

ڈاکٹر محمد حسن اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ:

> " اس میں شک نہیں کہ قرۃ العین حیدر نے عورت کوکائناتی مسائل کا ایک حصہ بنا کر دیکھا ہے عورت یہاں عورت نہیں رہ گئی بلکہ ایک وسیع تر مخلوق کا جزہے۔پوری انسانی زندگی کی اکائی ہے جو ہر وقت اور تاریخ کا شکار بھی ہے اور شکاری بھی۔ان کے افسانوں میں یہی عورتیں محمد باغ کلب سے لے کر ہوائی اڈوں اور لندن کی محفلوں، ایران اور ترکی کی رہ گزاروں میں ایک نامعلوم سے مبہم درد کے ساتھ بھٹکتی نظر آتی ہیں۔"(۱)

ان کے فن میں بتدریج ارتقا ہوا۔موضوعات میں تنوع اور تخلیقی اعتبار سے بھی تبدیلی پیدا ہوئی۔ماضی پرستی، تقسیم کے اثرات ، ہجرت اور بے زمینی کا دکھ ، انسانی رشتوں کی پامالی، سماجی کشمکش، تہذیبی واخلاقی زوال ، سیاسی انتشار ' طبقاتی فرق' زندگی کے نئے تقاضے ، وقت کا جبر اور انسان کی بے بسی و بے چارگی وغیرہ جیسے موضوعات سے ان کی افسانہ نگاری کا دائرہ وسیع ہوا۔تجریدی عناصر بھی داخل ہوئے اس کے علاوہ ان کا احساس برتری اور خود مرکزیت کا عنصر افسانوں میں واضح نظر آتا ہے۔بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اپنے افسانوں کا مرکزی کردار وہ خود ہیں۔ان کی اپنی شخصیت اور ماحول کی جھلکیاں واضح طور پر محسوس ہوتی ہیں۔ایک مخصوص تہذیبی فضا سانس لیتی ہے۔ایک دکھ کا ' اس کی شدت کا احساس ہر جگہ کار فرما ہے۔جو عظیم تر تہذیبی اقدار کے ٹوٹنے کا المیہ ہے۔یہ المیہ

گہری فلسفیانہ معنویت کو جنم دیتا ہے۔وہ شعور کی رو سے لا شعور کے تجزیے بھی کرتی ہیں۔تجریدی اور علامتی اسلوب بھی اختیار کرتی ہیں۔ان کے افسانے اختصار نہیں بلکہ طوالت کے حامل ہوتے ہیں۔فکری اور فنکارانہ حسیّت کے کامیاب نمونے ان کے افسانوں میں موجود ہیں۔وہ کسی بھی پہلو' کسی بھی اندازِ زندگی او ر اپنے کسی تجربے اور مشاہدے کو افسانوی پیکر عطا کرنے کی قدرت رکھتی ہیں۔ساتھ ہی لفظی حسیّات کو برتنے کا بھی فن جانتی ہیں۔ان کے ہر لفظ میں معنی کا جہان آباد ہے جو مختلف پرتیں رکھتے ہیں اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان کا ذہن اور سوچ تنگ نہیں۔وہ ہر معاملے میں وسیع القلب ہیں۔مذہب' تہذیب، سماج، زبان، نسل کسی بھی قسم کے تعصب کی روادار نہیں۔ان کا مسلک انسان دوستی ہے جو کسی تعریف کو نہیں مانتا۔

ان کے افسانوں کے مجموعے اسلوب اور مواد کے لحاظ سے ندرت اور جدت کے اعلیٰ نمونے فراہم کرتے ہیں۔"ستاروں سے آگے "،" پت جھڑ کی آواز '،" شیشے کے گھر " ،" جگنوؤں کی دنیا "، "روشنی کی رفتار " وغیرہ۔ان کی فنی و فکری جہتوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔

"روشنی کی رفتار " کے افسانے قرۃ العین حیدر کے رومانی طر ز نگارش، فکر و فلسفہ، گہری تاریخی رمزیت اور تخلیقی ذہانت کے شاہکار ہیں۔یہ افسانے نہ صرف ان کے رومانی تخیل، نفسیاتی اور فلسفیانہ فکر ان کے گہرے مطالعہ و مشاہدے اور فن کے تجربات کا نہ صرف امتزاج ہیں بلکہ ان میں افسانے کے فن کی جدید ترین تیکنیک بھی استعمال کی گئی ہےں۔"جگنوؤں کی دنیا " یہ افسانہ قرۃ العین کے حسین تخیل اور ایک خاص طرز زندگی کا ترجمان ہے اور ماضی کے حسین لمحوں کا سفر ہے۔افسانے کا آغاز بڑے دلچسپ فقرے سے ہوتا ہے :

> "بیکٹ ہاؤس،الموڑہ کے برآمدے پر چُڑا کر کھانے کے لیے مثالی کھٹے انگوروں کی بیل پھیلی ہوئی تھی۔"(۲)

پورے افسانے میں ایک خاص گھریلو فضا نظر آتی ہے۔اور کرداروں میں بھی ایک فطری بے ساختگی دکھائی دیتی ہے جو روز مرہ کے معمول کے کام انجام دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔عذرا آپا ، امتیاز بھائی ، فہمیدہ ،' زلیخا ' پارے میاں' اچھو ' ثمن آپا یہ سب اس رومانی فضا کے کردار تھے جن کی معصومیت ان کی سرگرمیوں' ان کی باتوں میں نظر آتی ہے۔قرۃ العین حیدر ماضی کے ان لمحوں کو

گہرے تاثر کے ساتھ پیش کرتی ہیں جو انسان کے ذہن میں ہمیشہ آباد رہتے ہیں۔بچوں کی معصومیت کے بڑے خوبصورت انداز دل کش رنگوں سے بیان کیے ہیں۔ بچپن کی یادیں' انمول لمحات ' چمکتے روشن پل سب جگنوؤں کی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں اور جگنو کی روشنی کی مانند ہی جگمگا کر غائب ہوجاتے ہیں۔ جیسے وہ لمحے کبھی آئے ہی نہ تھے۔ہم سب اپنے بچپن کی معصوم شوخ حسین دنیا میں جو اب ماضی بن چکی ہے ان جگنوؤں کو تلاش کرتے ہیں۔وہ چھوٹی چھوٹی تفصیلات کو بیان کرتی ہیں جس سے ایک تاثیر پیدا ہوجاتی ہے اس پر ان کی کیفیت آفرینی شوخی ورنگینی اضافے کی حیثیت رکھتی ہیں۔

قرۃ العین حیدر کے افسانے جدت پسندی کے بھی تقاضے پور ے کرتے ہیں وہ اپنے اسلوب میں ماضی پرست یا قدامت پسند نہیں وہ نئے نئے اسلوب تراشتی ہیں ان کے افسانوں میں تجریدیت بھی پائی جاتی ہے مثلاً افسانہ " یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے " میں انہوں نے تمارا کی ذہنی کیفیات کو تجری اسلوب میں پیش کیا ہے لیکن اس میں ابہام نہیں بلکہ ایک تاثر انگیز فضا کا احساس ہوتا ہے۔

اس افسانے میں مرکزی کردار تمارا کا ہے اور دیگر کرداروں میں مختلف ممالک سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں جو جرمنی کے یونیورسٹی ٹاؤن میں ملتے ہیں مختلف تہذیبوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے خیالات ان کی فکر میں مصنفہ کا اپنا ادراک کام کرتا ہے وہ سب اپنے اپنے تجربات بیان کرتے ہیں قرۃ العین حیدر کا شعری اسلوب بھی تاریخی شعر کے ساتھ نظر آتا ہے ڈاکٹر نصرت الدین جس سے تمارا کادلی تعلق تھا اس کی تصویر اخبار کی شہ سرخی کے ساتھ چھپی تھی یہ نام اس کا اصلی بھی نہیں تھا۔ایک طیارے پر دستی بموں ا ور مشین گنوں سے حملہ کرتے ہوئے اس نے خود کو بھی دستی بم سے ہلاک کرلیاتھا پھر ٹی وی پر تمارا نے اس کی مسخ شدہ لاش بھی دیکھ لی تھی اس کے ذہن میں مختلف تصویریں گھومتی رہیں عجیب عجیب آوازیں آتی رہیں وہ نفسیاتی طور پر شدید کیفیت کا شکار ہوگئی نیم بے ہوشی کی حالت میں عجیب تجربات کا سامنا کرتی ہے جیسے وہ ان چیزوں کو اصلی شکل میں محسوس کرتی ہے قرۃ العین نے تمہارا کے اس تجریدی تجربے کو بڑی خوبصورتی اور مہارت سے پیش کیا ہے اس کی ذہنی کیفیات کا جائزہ لیا ہے۔

قرۃ العین حیدر کے افسانے میں اساطیری اور علامتی انداز کی بھی کارفرمائی ہے وہ ماضی میں سفر کرتے ہوئے ہزاروں سال پرانی تاریخ و تہذیب کو اپنے فن کے دائرے میں قید کرلیتی ہیں بقول ڈاکٹر نگہت ریحانہ خان:

> ان کی تاریخی و تہذیب معلومات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ جہاں انہوں نے جدید انسانوں کومختلف حیثیتوں سے عصری حقائق زندگی کا ترجمان بناکر پیش کیا وہیں ان کے بلند پروازِ تخیل نے وقت کی دیواریں پھاند کر صدیوں پرانی تاریخ تہذیب وکلچر کا احاطہ بھی کرلیا ان کی فکر رسا یونان' مصر'بابل 'چین 'ایران غرضیکہ مغرب و مشرق شمال و جنوب سب پر محیط ہے وہ اساطیری قصوں روایت عقائد وتوہمات اور حکایات کے ذریعے ہماری تہذیبی جڑوں کی تلاش کرتی ہیں۔"(۳)

وہ اپنی گمشدہ تہذیب کا ماتم نہیں کرتیں بلکہ جدت پسند تہذیب کی ان غلط روایات سے پیدا ہونے والی بے زمینی کو بھی پیش کرتی ہیں۔

افسانہ ملفوظات حاجی گل بابا بیکتاشی میں اساطیری اور تاریخی و تہذیبی رجحان دکھائی دیتا ہے افسانے کا مرکزی کردار وقت کی جبریت کا شکار ہے۔بیکاشی فقیر عہد حاضر کا سفرکرکے دوبارہ وقت کی گپھا میں گم ہوجاتے ہیں۔

قرۃ العین نے بیکتاشی طریقت کی ایک رسم کو بیان کیا ہے جس میں اس فقیر نے پٹکے کی گرہ باندھی اور کھولی اور دوبارہ یہ عمل کیا۔

> میں شر کو باندھتا اور خیر کو کھولتا ہوں میں جہالت کو باندھتا اور خوف الٰہی کو کھولتا ہوں طمع کو باندھتا اورفیاضی کو کھولتا ہوں میں عجز و انکار کی درانتی سے پرہیز گاری کی فصل کاٹتا ہوں میں خود آگہی میں بوڑھا ہوتا ہوں اور صبر کے تنور میں اپنی روٹی پکاتا ہوں۔(۴)

قرۃ العین کا یہ اساطیری اسلوب افسانے میں نئی معنویت دریافت کرتا ہے ایک ایک جملہ میں فکر اور فلسفے کی نئی راہیں کھلتی جاتی ہیں بصیرت رکھنے والے قاری ان کے ایک ایک حرف سے

عرفان حاصل کرتے ہیں پورا افسانہ پڑھنے کے بعد روحانی بالیدگی پیدا ہوتی ہے۔فکر او روح کا یہ رشتہ قرۃ العین کے افسانوں کی شناخت ہے۔اس افسانے میں قرۃ العین خود ایک نسائی وجود کے ساتھ مرکزی کردار کی حیثیت سے نظر آتی ہیں۔جو علمی ،تاریخی اور تخلیقی صلاحیت کا حامل ہے۔خاص بات یہ کہ ان کے یہاں نسائیت کے عناصر کی پیش کش ایک بدلے ہوئے رویے کی جستجو کا جواز پیش کرتی ہے۔

قرۃ العین کا افسانہ "روشنی کی رفتار" سائنس فکشن سے تعلق رکھتا ہے جس میں خلا باز خاتون ڈاکٹر مس پدما میری ابراہم کرین ایک راکٹ کے ذریعے سفر کرتی ہوئی ۵۱۳۱ ق م کے مصر میں پہنچ جاتی ہے۔یہ حال سے ماضی اور ماضی سے حال کی سمت سفر کرنے اور صدیوں پرانی تاریخ کو جدید دور کے انسان کو کھلی آنکھوں اور ذہن سے دیکھنے اور سوچنے سے تعلق رکھتا ہے۔یہ انسان کی خواہشات میں بھی شامل ہے۔اکثر فلمیں اس موضوع پر بنائی گئی ہیں جس میں ٹائم مشین کے ذریعے انسان ماضی میں پہنچ جاتا ہے۔قرۃ العین کے تخیلی ذہن نے بڑی خوبصورتی سے ماضی کے اس سفر کو پوری تاریخی معلومات اور شعور سے پیش کیا ہے اس عہد کا موازنہ بھی اپنے عہد سے کرتی ہیں۔

قرۃ العین نے اس حقیقت کو بھی پیش کیا ہے کہ انسان ایک زمانی وجود رکھنے کی وجہ سے وقت کے امتحان کو سہتا ہے اور اپنی مرضی سے تاریخ کو بدل نہیں سکتا نہ ہی وہ نظام قدرت میں تبدیلی لاسکتا ہے اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو ڈاکٹر پدما اور ثوث (جو کہ مصر کا باشندہ ہے) کی طرح مشکلات میں گرفتار ہوجاتے ہیں۔پدما مصر میں جا کر وہیں کی زبان بولنے لگتی ہے۔وہ وہاں کے تصویری رسم الخط کو پڑھنے پر بھی قادر تھی۔کتب خانے میں اس نے مذہب' اخلاق ' قانون ' طب ' علم ' نجوم' خلابت ' ریاضی' اقلیدس' سفر نامے ناول وغیرہ دیکھے۔ان کے علوم و فنون سے واقفیت حاصل کی اس نے برٹش میوزئم میں رکھی جانے والی باریک خط میخی میں کندہ ایک لوح دیکھی تھی جو اب اسی عہد میں دیکھ رہی تھی۔پدما ثوث کو لے کر اپنے عہد میں آتی ہے جہاں ثوث نو برس گزارتا ہے لیکن وہ مطمئن نہیں ہوتا وہ اس زمانے کی سائنسی ترقی پر اعتراض کرتا ہے۔اس عہد کے فلسفے نظریات و خیالات پر تنقید کرتا ہے وہ طنز کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:۔

> "تمہارے مذاہب' فلسفے ' اخلاقیات ' نفسیات .... تمہاری دیومالائیں، نظریہ تثلیث' روحانیت یہ وہ سب عین سائنٹفک ہیں تمہاری جنگیں ہیومنزم پر مبنی

ہیں۔ تمہارا نیو کلیر بم بھی خالص انسان دوستی ہے نا؟ تمہاری روشنی کی رفتار بہت تیز ہے۔ "(۵)

وہ اسے لے کر واپس ۶۰۳۱ ق میں چلی جاتی ہے جب وہ اسے چھوڑ کر واپس آنا چاہتی ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا راکٹ غائب ہے۔ ایک عبرانی میخائل بن حنان بن یعقوب اس میں بیٹھ کر اس کی دنیا میں جاچکا ہے۔ ثوث اسے تسلی دیتا ہے کہ وہ دوبارہ واپس ضرور آئے گا لیکن پدما اس بات کا انکشاف کرتی ہے کہ یہ راکٹ روشنی کی رفتار سے آگے صرف چار مرتبہ سفر کرسکتا ہے اور اب ایسا ناممکن ہے۔ ابدی جلا وطنی اس کا مقدر بن چکی تھی۔ قرۃ العین حیدر کے متعدد افسانوں میں عورت کی ازلی و ابدی جلاوطنی کو اسطوری معنویت کے ساتھ بیان کیاگیا ہے .... بے زمینی و بے مکانی اسے اداسی و تنہائی سے ہمکنار کرتی ہے۔

" حسب و نسب" یہ افسانہ بھی ایک تہذیبی پس منظر رکھتا ہے۔ اس کا مرکزی کردار چھمی جو ایک بھرے پرے گھر کی فرد ہے لیکن بالکل تنہا رہ جاتی ہے یہ اس گھر کا المیہ ہے جو ایک سماجی المیہ بن جاتا ہے چھمی اپنے تایا کے بیٹے اجو سے بچپن ہی سے منسوب تھی چھمی کے والدین اور پھر اجو کے والدین بھی انتقال کرجاتے ہیں۔ چھمی اس گھر میں اکیلی رہ جاتی ہے ان کی عمر بڑھتی جاتی ہے مگر جو لکھنو جاکر واپس نہیں آتے اور جب واپس آتے ہیں تو کسی کلو نامی عورت کے ساتھ جس سے بات کرنا بھی چھمی پسند نہیں کرتی انہی حالات میں ملک تقسیم ہوا اور اجو بھی اس میں مارے گئے۔ چھمی کو یوں لگا جیسے وہ بیوہ ہوگئی ہو۔ ایک انسیت جو انہیں اجو سے تھی اور وہ محبت جو ان کے دل میں تھی ہمیشہ قائم رہی۔ وہ اس کی بیوی تو نہ بن سکی مگر خود کو بیوہ سمجھ کر سفید دوپٹہ منہ پر ڈال کر رونے لگتی ہے۔ پھر ان کی زندگی بالکل خالی ہو کر رہ گئی۔ وہ اپنے آبائی گھر کو چھوڑ کر دہلی چلی جاتی ہیں اور مختلف گھروں میں کام کرتی رہیں۔ وہ وقت کے دھارے میں بہتی چلی گئیں مگر وہ اپنی خاندانی آن بان کو سلامت رکھنا چاہتی تھیں۔ ان کا اعتبار قائم تھا۔ پران اقدار اور تہذیبی روایات کو وہ اپنا تحفظ سمجھتی تھیں اور آخر میں وقت کی ستم ظریفی کہ وہ ایک طوائف کے گھر میں رہنے لگیں مگر ان کی سادگی کہ وہ اس کو نہ سمجھ سکیں او راسے سہارا سمجھ کر شکرگزار ہوئیں۔

"چھمی بیگم نے اپنی کوٹھری میں جا کر ایک بار پھر جانماز نکالی وضو کیا اور نفل پڑھنے لگیں اور اس رب ذوالجلال کا شکر ادا کیا جسے اپنے بندوں پر صرف دو وقت ہنسی آتی ہے اور پاک پروردگار نے ان کے باپ دادا کی لاج ان کے حسب نسب کی عزت رکھ لی ایک بار پھر ایک شریف گھرانے کی حق حلا ل کی کمائی میں ان کا حصہ لگادیا۔"(۶)

چھمی اوسط درجے کے زمیندار گھرانے کی نمائندہ ہیں اور اپنے زمانے کی تہذیب کی علامت بھی وہ تہذیب جو زوال کا شکار ہوئی۔انہوں نے ساری زندگی مشکل حالات میں گزارنے کے باوجود صبر و شکر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ڈاکٹر خورشید زہرا عابدی لکھتی ہیں :

" اس کہانی میں ایک مختصر رسم و رواج کی پابندی اور تہذیبی فضا آفرینی ہے۔قرۃ العین حیدر نے اپنے افسانے میں کرداروں کے عمل کے وسیلے سے ایک تہذیب کی موت اور دوسری کی پیدائش و نشو و نما کو بڑے فنکارانہ انداز میں پیش کیا ہے چونکہ وہ جاگیر داری دور کی اعلیٰ قدروں کی ترجمان ہیں اس لیے اس خاص طبقے کے زوال اور کلچرل کے مٹ جانے کا غم ان کا اپنا غم ہے۔کہانی میں چھمی بیگم کے رومان کی برفیلی چادر کے نیچے چھپی ہوئی سسکیوں' اندوہ گیں مسکراہٹوں اور درد و غم کی کسک و کرب اور ٹیسوں کا اظہار ہے عورت کو ہر حال میں اپنی زندگی میں مرد کے سہارے ایک مستقل سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔یہ افسانہ محبت کی ناکامی اور جذباتی جھٹکوں سے وابستہ ہے۔اس افسانے کی کردار تلاشِ محبت ، فریب خوردگی ' شکست کواب کے احساسِ ہزیمت میں مبتلا رہی ہے۔ہندوستانی معاشرہ سدا سے عورت کا استحصال کرتارہا محبت و وفا عورت کے لیے قدرے الاقدار کی حیثیت رکھتی ہے۔وہ دھوکے کھا کر بھی ان کا دامن نہیں چھوڑتی۔اس افسانے کا خلاصہ محرومی اور انتظار ہے۔"(۷)

یہاں بھی تنہائی اور اداسی عورت کا مقدر بنتی ہے۔جو ایک مرد نے اس کے لیے بطور سزا تجویز کردی ہے۔دربدری اس کی قسمت بن چکی ہے۔ایک اور قابلِ ذکر افسانہ' نظارہ درمیاں ہے ' ہے جس کا مرکزی کردار پیروجا ہے۔جو خورشید عالم کی محبوبہ ہے۔خورشید عالم ایک غریب اوربے روزگار انجینئر ہے۔الماس اپنی دولت سے انہیں خرید لیتی ہے زندگی کی آرام و آسائشات انہیں حاصل ہوجاتی ہیں۔الماس سے شادی کے باوجود وہ پیروجا کو نہیں بھول پاتے۔پیروجا محبت ' انتظار ناکامی جیسے المیوں کا شکار ہے۔دونوں ایک دوسرے کی زندگی سے نکل جاتے ہیں لیکن ان کی روحیں ایک رہتی ہیں۔پیروجا کی موت کے بعد اس کی آنکھیں اس کی وصیت کے مطابق نکال لی جاتی ہیں اور ایک بیوہ تارا بائی کو لگادی جاتی ہیں۔اپنے محبوب کو دیکھنے کی خواہش مند آنکھیں وہ نرگسی آنکھیں جو اس کے محبوب کو بے حد پسند تھیں۔اس کی آنکھیں اس کے محبوب کی امانت تھیں۔تارابائی ملازمہ کی حیثیت سے خورشید عالم کے گھر جا پہنچتی ہے وہ خورشید عالم کی ہر چیز کو بڑی محبت سے دیکھتی ہے۔اس کی آنکھوں میں پیروجا کی محبت سمائی ہوئی تھی۔خورشید عالم اس کی آنکھوں کو دیکھ کر گم سے ہوجاتے۔آخر ایک دن ان پر یہ راز منکشف ہوجاتا ہے کہ پیروجا ہی کی آنکھیں تارابائی کو لگائی گئی تھیں ان کی محبت ہمیشہ کے لیے امر ہوگئی تو سامنے ہے اپنے بتلا کہ تو کہاں ہے کس طرح تجھ کو دیکھوں نظارہ درمیاں ہے محبت تمام دنیاوی ' سماجی ' جسمانی' فاصلوں کو مٹا کر روحانی نظارہ بن کر درمیان میں رہ جاتی ہے۔

قرۃ العین کا یہ افسانہ ایک روحانی احساس و کیفیت لیے ہوئے ہے اور بڑے تاثر کے ساتھ محبت کے دکھ کو ابھار گیا ہے۔اس افسانے میں مشکل پسندی نہیں نہ کوئی تہذیبی ' سائنسی یا اساطیری انداز سے کہانی کو الجھانے کی کوشش کی گئی بلکہ نہایت خوبصورتی اور سادگی سے محبت کی حقیقت کو بیان کیاگیا ہے۔خاص طو رپر عورت کی محبت او ر وفا کی انتہا اس افسانے میں اہمیت کی حامل ہے۔" پالی ہل کی ایک رات " ایک تمثیل ہے جس میں ایک پراسر ار کہانی اور ماحول ابھارنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مصنفہ نے تمثیل کے مطابق اسٹیج کی آرائش' کرداروں کی پیش کش ' مکالمے ' تجسس' چونکادینے والا انجام تمام عناصر کا خیال رکھا ہے۔ابتدا میں ہماری ملاقات دو مرکزی کردار رودابہ اور ہومانے نامی دوبہنوں سے ہوتی ہے جو بہت مذہبی اور عبادت گزار ہیں۔رودابہ پیانو بجاتی رہتی ہے انہیں ہوشنگ کا انتظار ہے باہر شدید بارش ہورہی تھی۔ایک لڑکا خانم گل چہرہ اور دارب ان کے گھر میں پناہ لیتے ہیں۔

دونوں اپنا تعارف کراتے ہیں۔ پیانو پر ہوشنگ کی خوبصورت تصویر سجی ہے جو رودابہ کا منگیتر ہے۔وہ دونوں اپنے بارے میں بتانے کے لیے بے چین ہیں رودابہ بتاتی ہے کہ اس کا منگیتر ہوشنگ اس سے بے پناہ محبت کرتا تھا لیکن غربت کی وجہ سے اس نے دولت مند فیروزہ سے شادی کرلی۔یہ سوچ کر کہ وہ بوڑھی ہے جلد ہی مر جائے گی لیکن وہ زندہ رہی۔ہوشنگ لمبی لمبی رقمیں اڑاتارہا۔آخر تنگ آکر ۸۱ ویں سالگرہ کے موقع پر خود ہی گھر کو آگ لگادیتا ہے اس کے ایک ہم شکل لاش ملنے پر لوگ اس کو مردہ سمجھنے لگتے ہیں۔ ہوشنگ خود روپوش ہوجاتا ہے۔ فیروزہ نے اس کا ڈیتھ ماسک یادگارکے طور پر منوالیا جو بعد میں چوری ہوگیا۔فیروزہ ان دونوں بہنوں کے ساتھ ایک ہی گر میں رہنے لگی مگر لا تعلق سی۔ دونوں بہنوں کا کہناتھا کہ ہوشنگ اب بھی چھپ کر ان کے ساتھ ڈنر کرنے آتا ہے۔ پھر ہوما نے ایک وہیل چیئر پر ہوشنگ کے پتلے کو لے کر آتی ہے جس کے چہرے پر ڈیتھ ماسک ہے۔وہ دونوں اس پتلے کو سوپ پلاتی ہیں۔خانم گل چہر اور دارب دہشت زدہ ہو کر بھاگ نکلتے ہیں دونوں بہنیں انہیں پاگل اور مخبوط الحواس سمجھتی ہیں اور قہقہے لگا تی ہیں۔قرۃ العین نے بڑی خوبصورتی سے اس تمثیل کو اس پورے ماحول کے تاثر کے ساتھ پیش کیا ہے اور ایک نفسیاتی کج روی کو بیان کیا ہے بعض اوقات پاگل خود کو عقل مند اور دوسروں کو پاگل سمجھتے ہیں کیا حقیقت میں ایسا ہے ؟ اس کا فیصلہ کون کرے۔

روشنی کی رفتار کے دیگر افسانوں میں آئینہ فروش شہر کو راں' دریں گرد سوارے باشد شامل ہیں۔جن میں مصنفہ نے وقت کے تسلسل' سماجی و تاریخی حقیقتوں اور انسانی وجود کی ٹریجڈی کے تلازمات و تصورات کو بیان کیا ہے ہر جگہ ان کا سحر طراز قلم بلند تخیل' دور رس نگاہ ' زبان پر دسترس' انسانی شعور ' سب مل کر افسانوی منظر نامے کو اعتبار بخشتے ہیں "روشنی کی رفتار " میں قرۃ العین حیدر نے نسائی کردار کی شخصیتوں کی مختلف جہتیں پیش کی ہیں اس کی جسمانی ہیئت سے زیادہ اس کی روحانی اور نفسیاتی مسائل کو بیان کیا ہے اس کائنات میں مسلسل برسرِ پیکار عورت کے جسمانی ، رومانی اور ارضی وجود کی معنویت کا سراغ لگانے کی کوشش کی ہے ان کے پہلے افسانوی مجموعے "ستاروں سے آگے " سے لے کر "روشنی کی رفتار " میں عورت کے وجود کے مختلف رویے باطنی وظاہری صداقتوں کے ترجمان بنتے ہیں۔اس کا اپنا انفرادی وجود جو ریزہ ریزہ ہو کر فنا کی طرف جارہا ہے۔مرزاحامد بیگ لکھتے ہیں کہ :

"قرۃ العین حیدر کے اوّلین مجموعے "ستاروں سے آگے " میں خصوصاً بورژوا طبقے کی نوخیز لڑکی کے خواب بنے گئے ہیں' بے معنی محفلیں اور لایعنی مصروفیات۔"شیشے کے گھر " میں یہی لڑکی میچورٹی تک پہنچتی ہے۔"ستاروں سے آگے " کے افسانوں میں اس زمانے کا ہندوستان اور بنگال کا قحط دکھائی نہیں دیتا اس لیے کہ اس کے افسانوں کے موضوع بالائی طبقے کی محفلوں میں مائیکل انجلو موضوع بحث ہے۔لارنس اور آسکر وائلڈ کی دھوم ہے اور رمبا ، کتھا کلی اور برج کی محفلوں میں الجھے ہوئے بورژوا نسوانی کردار۔ یہ ان کی سچی پیش کش ہے۔لوئر مڈل کلاس اور مڈل کلاس کی عورت کی پیش کش کے برعکس قرۃ العین حیدر کی خاص عطا ہے۔"۔ (۸)

قرۃ العین حیدر کے ابتدائی افسانوں میں نسائی زندگی کی یہی بے باکی مگر دلآویزی ایک ساتھ نظر آتی ہے یہ نسائی کردار بظاہر تو بہت آرام دہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ان کی محفلیں اور مصروفیات طرح طرح کی بحثیں ہر وقت کی زندگی کی رونقیں اور چہل پہل مگر اندرونی خاموشیاں اور تنہائیاں انہیں اداسی کے لامتناہی صحرا میں کھڑا کردیتی ہیں۔نسائی زندگی کی اصلی تصویریں اس انداز سے پہلی دفعہ قرۃ العین نے پیش کش کیں کیونکہ وہ اسی طرزِ حیات سے تعلق رکھتی تھیں۔خود قرۃ العین نے اس بات کا اعتراف کرتی ہیں کہ اس زمانے میں انہوں نے جو افسانے تخلیق کیے وہ موضوع اور تکنیک کے لحاظ سے اپنے وقت سے آگے تھے۔وہ باتیں ' وہ کردار ' وہ تصورات اس وقت اتنے عام فہم نہیں تھے لیکن آہستہ آہستہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سب نے اپنی آنکھوں سے وہ سب کچھ دیکھ لیا اور وہ انوکھی زندگی سب کے لیے عام ہوگئی۔قرۃ العین پہلی جدید افسانہ نگار خاتون ہیں جن کے افسانوں میں عورت خود مختار اور ایک آزاد حسیت کے ساتھ جلوہ گر ہے۔اس وقت آزادی نسواں کی تحریک عروج پر تھی اور عورت کی سماجی و معاشی نظام میں مساوات کو بڑی اہمیت دی جارہی تھی۔قرۃ العین حیدر نے اس اہمیت کو سماجی و معاشی پس منظر میں دیکھنے کے بجائے خود اس کی ذات کے احساس ' اس کی ذہنی و نفسی کیفیات اور وجود کے اثبات میں تلاش کیا ہے۔یہ نسائی کردار فکری جہت اور جدید حسیت کے حامل ہیں اور ان کے لب ولہجے میں بھی یہ عنصر غالب نظر آتا ہے۔"

ملفوظات حاجی گل بابا بیکتاشی میں عورت اپنی محبوب ہستیوں کو ڈھونڈتی ہے۔اس تلاش میں اس کی فریب خوردگی' خوابوں کی شکست' بے اعتباری اور ناکامی کا احساس سبھی کچھ موجود ہے۔وہ عورت کے مقدر کو زمانے اور تاریخ کے تناظر میں دیکھتی ہیں' اسی طرح" نظارہ درمیاں ہے۔" میں بھی پیروجا کی آنکھیں مرنے کے بعد بھی محبوب کے لیے اس کے دیدار کی منتظر رہتی ہیں اور اپنی تشنگی بجھاتی ہیں۔اسی طرح "روشنی کی رفتار" کی پدما خلاباز ہونے کے باوجود ازلی جلاوطنی کا شکار ہوجاتی ہے۔حسب نسب کی چھمی جو خاندانی روایات کا پاس کرتے ہوئے ساری زندگی محبت کا بھرم قائم رکھتی ہے۔یہ مختلف نسائی کردار کی عورت کی محرومی 'بد نصیبی' ناکامی اور نہ ختم ہونے والے انتظار کا المیہ ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر محمد حسن " عصری ادب " خواتین نمبر، ص ۴۴

۲۔ قرۃ العین حیدر "جگنوؤں کی دنیا" مشمولہ "روشنی کی رفتار " سنگ میل پبلی کیشنز ۲۰۰۵ءص ۵

۳۔ ڈاکٹر نگہت ریحانہ خان "اردو مختصر افسانہ: فنی و تکنیکی مطالعہ " ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نومبر ۱۹۸۶ءص ۱۱۹

۴۔ قرۃ العین حیدر " ملفوظات حاجی گل بابا بیکتاشی " مشمولہ "روشنی کی رفتار" سنگ میل پبلی کیشنز ۲۰۰۵ءص۸۸۔۸۹

۵۔ قرۃ العین حیدر ر"روشنی کی رفتار" سنگ میل پبلی کیشنز ۲۰۰۵ءص ۸۸۔۸۹۔۱۸۸

۶۔ قرۃ العین حیدر۔"حسب نسب" سنگ میل پبلی کیشنز ۲۰۰۵ء ص۱۸۸

۷۔ قرۃ العین حیدر خورشید زہرا عابدی, ترقی پسند افسانے میں عورت کا تصور , دلی یونیورسٹی ۱۹۸۷ءص ۲۱۰

۸۔ مرزا حامد بیگ "افسانے کا منظر نامہ " اردو رائٹرس گلڈ۔الہ آباد،ص ۳